تصوف پر غیر اسلامی مذاہب اور تہذیبوں کے اثرات

ڈاکٹر امان اللہ بھٹی ☆

Sufi movement is not specific for the Muslims. It starts in the days of passivity of every active nation. History pears witness to the fact that esoteric movement took its ruits from Plato. Platenius gave it the philosophical touch. And turned it into objective phase by adding the thoughts of Christianity, Hinduism and Jainism.

It influenced the thoughts of the people a lot. In the form of Sufism, countless strange traditions and believes were introduced in Islam. While the basis of the thoughts and believes of the Muslims were based on Quran and Sunnah in the early ages.

جس طرح اسلامی تہذیب وتمدن سے دیگر نظام زندگی متاثر ہوئے۔اسی طرح صوفی مسلمان بھی غیر اسلامی ثقافتوں کا اثر لیے بغیر نہ رہ سکے۔ زندگی کے صوفیانہ نصب العین اور فلسفہ تصوف پر مسیحیت، نوفلاطونیت، بدھ مت اور ویدانت کی اثر آفرینی ناقابل انکار حقیقت ہے (۱) ڈاکٹر عبدالحسین بھی تصوف میں دیگر مذاہب کے افکار واعمال کی آمیزش کے قائل ہیں: ''شک نیست کہ اندیشہ ہائے فلسفی و دینی گوناگوں درجریان تصوف اسلامی وارد وحل شد است'' (۲) اوائل اسلام میں تصوف کا الگ سے کوئی وجود نہ تھا تیسری صدی ہجری میں تصوف فلسفۂ اسلامی کی ایک مسلمہ شاخ بن گیا پھر اگلی تین چار صدیوں میں مابعد الطبیعی ،فلسفیانہ اور سائنسی علوم کا ایک عظیم خزانہ یونانی، سریانی، پہلوی اور سنسکرت سے عربی میں منتقل ہوا۔اس کے ساتھ ساتھ دینی مسائل اور علم الکلام پر غیر اسلامی اثرات مرتب ہونے لگے (۳) رفتہ رفتہ تصوف، ذات باری تعالیٰ کے ساتھ فرد کے شخصی تعلق کا وسیلہ نہ رہا بلکہ فلسفیانہ موشگافیوں کا منبع بن گیا۔ صوفیہ کی توجہ کا مرکز وحدت الوجود، فنا و بقا اور صحو وسکر کے مسائل تھے۔جن کی شریعت اسلامی میں کوئی اہمیت نہ تھی۔ بہت سے صوفیاء نے داخلی صداقت کی اساس پر شریعت کے خلاف اعلانیہ بغاوت کردی جس سے آزاد خیالی اور ترمیم پسندی کے رجحانات مقبول ہونے لگے۔آزاد خیالی کا یہ عمل بایزید

☆ لیکچرر، گورنمنٹ کالج، شیخوپورہ۔

بسطامیؒ کے فکر و عمل سے قوی ہوا جو ہندوانہ تصوف کے زیر اثر تھے(۴) انہوں نے اپنے اصول ویدانتی فکر سے اخذ کیے۔ جو ان تک ان کے ہندی الاصل دانش ور ابو علی سندھی کے ذریعے پہنچے تھے۔ جب تصوف ایران سے ہوتا ہوا جنوبی ایشیا پہنچا تو یہ عربی، ایرانی اور ہندی فکر کا امتزاج بن گیا۔ (۵)

یورپین محققین کے خیال میں بھی تصوف مختلف عناصر، مسیحت، نوفلاطونیت، بدھ مت، ہندو مت اور شیعت کا مجموعہ ہے اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ تصوف بذات خود کوئی مستقل انفرادی اسلامی نظریہ نہیں ہے بلکہ اس کی اصل کا تعلق مختلف منابع سے ہے۔ جن میں سے ایک مسیحی عنصر ہے۔

عیسائیت

عیسائیت کے ظہور کے وقت یہودیت میں باطنیت کے آثار نمایاں تھے وہ اس لیے بھی کہ جب بھی کوئی قوم ضعف و انحطاط کی انتہا تک پہنچتی ہے تو ان میں باطنیت کے آثار کا پیدا ہونا قدرتی امر ہے۔ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات ہر نبی کی طرح ان خرافات کے خلاف صدائے احتجاج تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی رہنما ان کی جان کے دشمن ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ کے بعد عیسائیت میں بھی وہی کچھ ہونے لگا جو یہودیت میں ہوا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ جو لوگ عیسائیت اختیار کرتے وہ بالعموم پہلے یہودی ہوتے اور دوسری وجہ یہ کہ عیسائیت اپنے ابتدائی دور میں ہی سخت نامسائد حالات کا شکار ہو گئی۔ اس لیے اسے بہت جلد مجاہدانہ حرارت چھوڑ کر تصوف کی بروت گاہوں میں پناہ لینی پڑی۔ (۶)

عیسائیت میں پہنچ کر تصوف نے ایک سسٹم کی شکل اختیار کر لی۔ با قائدہ خانقاہیں قائم ہو گئیں۔ ان کے قواعد و ضوابط وضع ہو گئے اور ان کے اندر زندگی بسر کرنے کے طور طریقے متعین ہوئے۔ جن کی پابندی سختی کے ساتھ لازم ٹھہرائی گئی۔ اس روحانی ترقی کے لیے مختلف قسم کی ریاضتوں اور مشقتوں کے زینے تجویز کیے گئے۔ جگہ جگہ مختلف اولیاء نے اپنے مراکز قائم کر لیے۔ اس طرح پورا مذہب عیسائیت تصوف کی آماجگاہ بن گیا۔ (۷)

عیسائیت کی اس تحریک کا بانی انطونی تھا۔ جس نے اس دنیا سے منہ موڑا، اپنی تمام ملکیت سے ہاتھ اٹھایا اور اپنے کنبے سے کنارہ کشی اختیار کر کے صحرا میں چلا گیا جہاں اس نے چلہ کشی اور ریاضت شروع کر دی، جلد ہی اس کی شہرت مصر میں پھیل گئی۔ اس کی تقلید میں ہزاروں لوگوں نے رہبانیت اختیار کر لی۔ اس تحریک کو زور پکڑتے دیکھ کر کلیسا نے بھی اس کی حمایت کر دی اور تحریک کو منظم خطوط پر چلایا۔ انہوں

نے خانقاہیں بنائیں جن میں راہب کنارہ کشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان سے تیاگ، جسمانی اذیت، ریاضت اور دنیاوی تعیش اور دنیاوی اجتناب کا عہد لیا جاتا۔ (۸)

موجودہ تصوف میں چلہ کشیوں، جنگلوں، پہاڑوں اور دریاؤں کے کناروں پر ڈیرے لگا کر قیمتی زندگی کے ماہ و سال گزار دینے کی ترغیب یقیناً عیسائی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ ''**وھذا لاعتزال الصوفی لیس مصدرہ اسلامیاً و انما مصدرہ رھبان النصاری و ریاضتیھم**''(۹)

ڈاکٹر البیر نصری بھی اس راہبانہ روش کو عیسائیت کا اثر خیال کرتے ہیں۔

فلا یستبعد ان یکون الذھاد المسلمون قد تأثر بالرھبان النصاری. (۱۰)

ڈاکٹر عبدالحسین، حارث محاسبی اور ذوالنون مصری کو بالخصوص اور صوفیاء کو بالعموم عیسائی رہبانیت کی نمائندگی کرنے والے شمار کرتے ہیں۔

عبارت باشد از رہبانیت مسیحی مخصوصاً حارث محاسبی و ذوالنون مصری را از مظاہر آں ثمردہ است وجود ایں عنصر مسیحی دخیلی۔ (۱۱)

عرب میں ان عیسائیوں نے بھی اسلام قبول کیا جنہوں نے اس سے قبل اپنی خانقاہیں بنا رکھی تھیں۔ مثلاً حنظلہ طائی جس نے ایک خانقاہ بنائی ہوئی تھی جو ''دیر حنظلہ'' کہلاتی تھی:

'وأن کثیرا من العرب کانو نصاری، بل منھم من ترھب و نسک کحنظلة الطائی فقد بنی له دیراً، یسمی دیرا حنظلة .... وبا وجه الشبه القویة بین حیاة العباد و الصوفیه من المسلمین و بین حیاة الرھبان. (۱۲)

آج کل مسلم صوفیاء عبادت و ریاضت میں غلو وایذاء پرستی کے جس رویے کو اپنائے ہوئے ہیں یقیناً وہ عیسائی راہبوں کے طریق کا اثر ہے۔ مولانا مودودیؒ عیسائی راہبوں کی انہیں ریاضتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ ''ایک ولی سینٹ جان تین سال تک عبادت میں کھڑا رہا، اس پوری مدت میں کبھی نہ بیٹھا، نہ لیٹا، بس ایک چٹان کا سہارا لے لیتا تھا، اس کی غذا صرف تبرک تھا جو اتوار کو آتا''۔ اس کے علاوہ ایک عیسائی ولی سینٹ سمیون (۳۹۰ء۔۴۴۹ء) ہر ایسٹر سے پہلے ۴۰ دن تک فاقہ کرتا، ایک دفعہ پورا ایک سال ایک ٹانگ پر کھڑا رہا۔ بسا اوقات اپنی خانقاہ سے نکل کر ایک کنویں میں جا رہتا تھا آخر کار اس نے شمالی شام کے قلعے سیمان کے قریب ۶۰ فٹ بلند ایک ستون بنوایا، جس کا بالائی حصہ صرف تین فٹ گھیرا تھا اور اوپر کٹہرا بنا دیا گیا۔ اس ستون پر اس نے پورے ۳۰ سال گزارے، دھوپ، بارش،

سردی، گرمی سب اس پر سے گزرتی رہتی تھی اور کبھی ستون پر سے نہ اترتا تھا۔ اس کے مرید سیڑھی لگا کر اسے کھانا پہنچاتے اور اس کی گندگی صاف کرتے۔ پھر اس نے ایک رسی کو لے کر اپنے آپ کو ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے گوشت میں پیوست ہوگئی۔ گوشت سڑ گیا اور اس میں کیڑے پڑ گئے۔ جب کوئی کیڑا اس کے پھوڑے میں سے گر جاتا تو وہ اسے اٹھا کر پھر پھوڑے ہی میں رکھ لیتا اور کہتا تھا کھا جو کچھ خدا نے دیا ہے۔ مسیحی عوام دور دور سے اس کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ جب وہ مرا تو مسیحی عوام کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ عیسائی ولی کی بہترین مثال تھا۔ (۱۳)

نوفلاطونیت

تصوف کے منابع میں سے ایک منبع فلسفہ نوفلاطونیت ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔ وجود یگانہ ہے یا عالم دیگر عوالم کے واسطہ سے اس سے نکلا ہے۔ اور اس کی طرف لوٹ کر جائے گا۔ حقیقت یگانہ تمام خوبیوں سے برتر، غیر متحرک اور موجودات کی علت حقیقی ہے۔ وہ جیسی بھی ہے اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ عقل وادراک سے برتر ہے۔ لیکن اس کے فیض کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ اس کا پہلا فیض عقل کل ہے۔ عالم ناپید ہے اور اس کی تصویر نفس کل ہے۔

انسان کے دو نفس ہیں ایک الٰہی دوسرا حیوانی۔ اول الذکر نفوس الٰہی نفس کل کا پرتو مجرد اور پاک ہوتے ہیں اور چونکہ عالم محسوس سے ملحق ہیں، تصور یا ارادہ نیک کو، نیک اعمال سے توام کر کے جلدی اصل کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور بعض عرصہ دراز تک مادہ کے جال میں گرفتار رہتے ہیں، جو لوگ وقتی لذتوں اور مشتبہات سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں، انہیں نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ جس کے لیے انہیں تین مراحل طے کرنے پڑتے ہیں:۔

- ☆ مرحلہ اول: حسن سے محبت اور جب ان کے کان اور ہوش آوازوں کے توازن اور نظم سے پوری طرح آشنا ہو جاتے ہیں تو دوسرے مرحلے میں داخل ہو جاتے ہیں۔
- ☆ مرحلہ دوم: دوسرے مرحلے میں وہ حسین اجسام سے عشق کرتے ہیں خواہ صورت جسمانی ہو یا محسوسات لہٰذا جب ان کی آنکھیں اور ہوش حسن کے توازن اور نظم سے پوری طرح آشنا ہو جاتے ہیں تو تیسرے مرحلے میں داخل ہو جاتے ہیں۔
- ☆ مرحلہ سوم: اس مرحلے میں وہ حسن کا عقل اور صداقت سے مشاہدہ کرتے ہیں اور اس

سے لذت پذیر ہوتے ہیں، جب ہر مرحلہ میں یہ لوگ کمال حاصل کر لیتے ہیں تو اپنے مقصود کو پالیتے ہیں۔

ان کے نزدیک عالم روحانیت اور پاکیزگی کے بھی دو درجے ہیں۔ پہلے درجے میں سالک خدا کی تلاش کرتا ہے لیکن اپنے آپ کو فراموش نہیں کرتا جبکہ دوسرے درجے میں اپنے آپ کو فراموش کر کے خدا میں فانی ہو جاتا ہے۔

متصوفین نے یہیں سے مراحل سلوک لیے ہیں۔ جنہیں انہوں نے نئے الفاظ و اصطلاحات کا جامہ پہنا کر اسلامی بنالیا ہے۔

اسلامی فتوحات کا دائرہ جب وسیع ہوا اور مسلمانوں نے سرزمین عرب سے نکل کر شام، ایران، فلسطین اور دیگر علاقوں کو فتح کیا تو ان علاقوں میں نوفلاطونیت کے اثرات موجود تھے۔ عباسیوں کے عہد خلافت میں مسلمان علماء اور فلسفیوں نے مختلف یونانی علوم مثلاً طب، ہیئت، جغرافیہ، مابعد الطبیعات، الٰہیات، نفسیات، منطق، سیاسیات اور اخلاق وغیرہ کو عربی قالب میں ڈھالا۔ تو ان علوم کے ساتھ انہوں نے فلسفہ نوفلاطونیت کو بھی اپنا لیا۔ الکندی پہلا شخص تھا جو مسلمانوں میں فلسفی کے نام سے مشہور ہوا۔ وہ افلاطون کا پیرو اور اس کے فلسفے کا شارح تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں میں فلسفہ افلاطون سے متاثر اور بہت سے مفسر پیدا ہوئے، جن میں زیادہ مشہور فارابی، ابن مسکویہ اور ابن سینا ہیں۔ (۱۴)

مصر کی فتح کے بعد یونانی علوم کی مسلمانوں میں اشاعت ہوئی۔ عباسیوں کے علمی و تحقیقی ذوق نے عربی جاننے والوں کے لیے تمام علوم کے دروازے کھول دیے۔ خلیفہ ہارون نے بیت الحکمت قائم کیا، جس میں غیر زبانوں کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا جانے لگا۔ یونانی علوم کی گرم بازاری مامون الرشید کے دور میں شروع ہوئی۔ اس نے قیصر روم کو خط لکھا کہ حکیم ارسطو کی تمام تصانیف بغداد روانہ کی جائیں۔ قیصر نے کتابیں بھیجنے میں تأمل کیا کہ کہیں مسلمانوں کو اس سے ہم پر فلسفیانہ برتری نہ حاصل ہو جائے مگر اس کے ہوشیار مصاحبین نے مشورہ دیا کہ ان کتابوں کو بغداد فوری بھیج دیا جائے تاکہ علم فلسفہ اور منطق ان کی فاتحانہ ذہنیت ختم کر کے، انہیں ایسے مباحث میں الجھا دے کہ وہ عملی طور پر مفلوج ہو جائیں (۱۵) فلسفہ کی اس گرم بازاری نے آخر اپنا اثر دکھایا اور خود مامون عقائد کے اعتبار سے معتزلی ہو گیا اور قرآن کے حادث ہونے پر اس کا یقین ہو گیا (۱۶) مامون کے سر پر یونانی فلسفہ و حکمت کا

بھوت سوار ہو گیا تھا۔ اس نے دنیا کے چپہ چپہ سے فلسفہ وحکمت کی اہم کتابیں منگوائیں اور ان کا ترجمہ کروایا۔ جس نے عوام کے عقائد کو تذبذب، ایمان کو شک وشبہ اور دین کو خلش کے گردوغبار سے بھر دیا اور ایک طرح سے بادسموم نے اسلامی اعتقاد کے سرسبز وشاداب پودے کو جھلس دیا (۱۷) عقل نے بے لگام ہو کر مذہب سے بغاوت کر دی۔ قرآنی آیات کی طرح طرح سے تاویلیں کی جانے لگیں۔ بعد میں یونانی، ایرانی اور ہندی اثر کی آمیزش سے تصوف نے فلسفے کا روپ دھار لیا۔ شیخ محی الدین عربی کے نظریہ وحدت الوجود اور فلسفیانہ استدلال، حافظ شیرازی کی شیریں بیانی، اردو، فارسی، پنجابی، سندھی اور سرائیکی شاعری جسے ہمارے ہاں عارفانہ کلام کہا جاتا ہے کی بدولت وحدت الوجود کا عقیدہ لوگوں کے ایمان کا جزو بن گیا۔ فلسفہ وحدت الوجود اس قدر سکر آلود اور خواب آور تھا کہ اس نے مسلمانوں کی زندگی پر نہایت ناخوشگوار اثر ڈالا۔ خودی کی نفی نے ذوق عمل اور جدوجہد کی رفتار کو مقصور کر دیا'۔ (۱۸)

برصغیر کے نامور صاحب قلم ابوالحسن علی ندوی فلسفہ یونان کی اسلامی عقائد میں آمیزش کا باعث کندی، فارابی اور ابن سینا کو قرار دیتے ہیں:

'والکندی و ابو نصر فارابی و ابی علی سینا، کانو فی حماستھم فی الدفاع عن الفلسفة و نشرھا فی الامة الاسلامیه.(۱۹)

مسلمان مفکرین میں شیخ محی الدین ابن عربی پہلا مفکر تھا جس نے مسئلہ وحدت الوجود کو نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ تصوف کے رنگ میں پیش کیا۔ اس کی کوششوں سے فلسفہ نوفلاطونیت کے اصول اسلامی تعلیمات میں اس طرح گھل مل گئے کہ دونوں میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا اور مابعد کے شعراء، ادباء اور فلاسفہ نے اس مسئلہ کی ترویج میں نمایاں حصہ لیا اور اس کے اثرات کو ہمہ گیر بنایا۔ (۲۰)

ڈاکٹر ابوالعلا عفیفی، ابن عربی اور اس کی کتاب فصوص کو بالخصوص عقیدہ صوفیہ کی تشکیل میں بنیادی اکائی تصور کرتے ہیں۔ جس نے مذہب وحدت الوجود کو آخری شکل دی اور صوفیاء کے لیے اصطلاحات وضع کیں۔

مؤلفات ابن عربی کلھا قدرً و اعمقھا غورا و أبعدھا أثراً فی تشکیل العقیدة الصوفیة ...... فقد قرر مذھب وحدة الوجود فی صورة النھائیة ووضع له مصطلحاً صوفیا کاملاً.(۲۱)

ہندوستان میں صوفیاء کا سلسلہ چشتیہ ابن عربی کے عقیدہ وحدۃ الوجود سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ یہی

وجہ ہے کہ اس سلسلہ کو ہندوستان میں خاص طور پر کامیابی ہوئی کیونکہ اس کے سلوک کے طریقے ہندی طبائع سے زیادہ قریب ہیں (۲۲) یورپین مستشرقین میں سے بھی اکثریت کی یہی رائے ہے کہ موجودہ تصوف کے منابع میں سے ایک منبع فلسفہ نوفلاطونیت ہے۔اس کے ثبوت میں ان کی دلیل یہ ہے کہ صوفیاء کے عقائد میں عشق اور وحدۃ الوجود کے جو خاص نظریات پائے جاتے ہیں وہ نوفلاطونیت میں موجود ہیں۔ اور چونکہ فلسفہ مذکورہ کے یہ نظریات مروجہ تصوف کے وجود آنے سے بہت پہلے اشاعت پذیر ہو چکے تھے، اس لیے تصوف کے موجودہ نظریات نوفلاطونیت کے مرہون منت ہیں۔

تصوف میں اشراقیت کے داخل ہونے کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ شے کی غیریت ذاتیہ کا انکار کر دیا گیا۔ حق ہی حق، غیر حق ذاتاً وجوداً غیر معدوم لہذا اتباع شریعت کی اب کوئی ضرورت نہ رہی نیز شریعت و طریقت کا تضاد اول مرتبہ پیش کیا گیا اور اس طرح سے شریعت کا جوا نکال پھینکنے کی کوشش کی گئی۔شریعت کو ناقصین کا شعار قرار دیا گیا اور کاملین کے لیے اس کی اتباع غیر ضروری قرار دی گئی۔گویا واضح یہ کیا گیا کہ غیریت کے ماننے تک ضرور شریعت کی ضرورت ہے جب غیریت کا ارتفاع ہو گیا اور حق ہی رہا تو اب شریعت کی پابندی کیسی!

دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ شئی غیر مقصود کو مقصود قرار دے دیا گیا۔ اور مقصود کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا۔ لذات واحوال، کشف کونی، تصرفات و کرامات، وجد و حال سالک کی غایت قرار پائے اور انھیں بزرگی اور تقوی کی علامت خاص خیال کیا جانے لگا۔ان کمالات کے حصول کے لیے غیر مسنون مشقوں اور شغلوں کی ابتدا ہوئی۔ یہاں تک کہ جوگیوں اور سنیاسیوں سے بھی اشغال وغیرہ سیکھنے میں دریغ نہ کیا گیا۔اس طرح ہندی مراسم اور یونانی تخیلات و نظریات کا ایک معجون مرکب پیدا ہوا جو اسلامی تصوف کے نام سے مشہور ہوا۔(۲۳)

ایرانی عنصر

ایران میں فلسفہ و مذہب اور دیگر علوم کی تاریخ زرتشت کے زمانے سے شروع ہوتی ہے۔زرتشت سے پہلے ایران میں وہی عقائد و افکار رائج تھے جو ہندوستان و یونان میں رہ چکے تھے۔اصل میں ایران و یونان اور ہندوستان کی تاریخ و افکار ایک دوسرے سے بہت مماثلت و مطابقت رکھتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تینوں ممالک کے باشندے آریہ نسل سے تھے۔ہندوستان میں فلسفہ و مذہب کے بانی ایران

سے آئے تھے اور یونان کے باشندے ان آریہ قبائل کی نسل سے ہیں جو زمانہ تاریخ سے قبل شمالی ہند سے آ کر آباد ہوئے۔ ایران و یونان باہم دست و گریباں رہتے تھے کبھی اہل ایران کو اہل یونان فتح کر لیتے تھے اور کبھی اہل ایران یونان و روما کو زیر کر لیتے۔ اس لیے ان ممالک کے خیالات میں باہمی ارتباط رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء میں تینوں جگہ مظاہر قدرت کی پرستش شروع ہوئی۔

زرتشت کی تعلیمات تقریباً خدا پرستی پر مبنی تھیں لیکن قدیم مجوسیت نے اس کی اصل تعلیمات کو مسخ کر ڈالا۔ یہ واقعہ تقریباً ہر مذہب کے ساتھ پیش آیا۔ جس طرح بنی اسرائیل قدیم عقائد مصر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ بدھ مت قدیم ہندو برہمنی عقائد کا شکار ہو گیا۔ روم کی مسیحیت قدیم رومی بت پرستی کی زد سے نہ بچ سکی۔ اسی طرح زرتشت بھی قدیم مجوسیت کے ردعمل سے محفوظ نہ رہ سکی۔ (خود اسلام کے ساتھ یہی ظلم کیا گیا)۔

مانی (۵۱۲ء) نے ایران میں وہی مذہب پیش کیا جو یونان میں افلاطون اور ہندوستان میں گوتم بدھ پیش کر چکے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ نور و ظلمت قدیم ہیں۔ دنیا مجموعہ شر ہے اس لیے اس سے تعلق قائم رکھنا گناہ ہے اور یہی خیال بعد میں رہبانیت کا سبب بنا۔

اسلامی سلطنت کی سب سے پہلی زد قریش پر پڑی لیکن انہوں نے تقریباً سات سال کی مزاحمت کے بعد شکست قبول کر لی اور اسلام قبول کر لیا۔ عالم دنیا میں اس وقت رومی اور ایرانی سلطنتیں زیادہ طاقتور اور ممتاز تھیں۔ اسلامی نظام کا اثر ان دونوں سلطنتوں پر ہوا۔ تاہم بازنطینی سلطنت پر اس کا اثر زیادہ عمیق نہیں تھا لیکن ایرانی سلطنت اور اس کی ہزار ہا سالہ تہذیب ملیا میٹ ہو گئی وہ مسلمان تو ہو گئے لیکن اس شکست کا زخم بڑا گہرا تھا۔ جس وجہ سے انتقامی جذبہ بھی اتنی ہی شدت اختیار کر گیا۔ انہوں نے سوچا کہ مسلمانوں کی قوت اتنی زیادہ ہے کہ ان کا مقابلہ ممکن نہیں کیوں نہ ایسا حربہ اختیار کیا جائے کہ جس سے اسلام کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ دین کی جگہ مذہب کے تصور کو عام کرنے کی کوشش کی۔ دوسرے انہوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ شریعت کی ظواہر پرستی سے روحانیت کا حصول ناممکن ہے۔ روحانیت کے لیے باطنی پاکیزگی ضروری ہے جو تصوف کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن انہیں مشکل یہ پیش آئی کہ قرآن کے متن کی بنیاد پر ایک مکمل مذہب کی تشکیل اور اصولوں کی تدوین ناممکن تھی اسکی تفسیر و تشریح نیز عملی شکل کے لیے انہیں پھر حدیثوں اور صحابہ کے عمل کی طرف رجوع کرنا پڑتا جبکہ ایسا کرنے کے لیے وہ تیار نہ تھے۔ لہٰذا انہوں نے باطنی معانی کو ظاہری معنی کی

نسبت زیادہ اہم قرار دیا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ انبیاء و رسل ظاہری اعمال سے متعلق احکامات عام بندوں تک پہنچاتے ہیں۔ پھر خواص کا یہ منصب ہوتا ہے کہ باطنی مخفی معانی مخصوص لوگوں کے سامنے بیان کریں لہذا ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے۔ جو منصب امامت میں اس کا جانشیں ہوتا ہے۔ لہذا ہر امام باطنی علم اپنے خلفاء کو خفیہ طور پر منتقل کرتا ہے:

فان الشیعة بجمیع فرقها و خاصة الاسماعیلیة منهم یعتقدون أن لکل ظاهر باطنا و قد اختص بمعرفة الباطن علیؓ و اولاد أی أئمتهم المعصومون حسب زعمهم. (۲۴)

اہل تشیع کے سارے فرقے اور بالخصوص ان میں سے اسماعیلیہ کا یہ اعتقاد ہے کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اور باطنی معرفت کے لیے انہوں نے حضرت علیؓ اور معصوم آئمہ کو اپنے گمان کے مطابق مخصوص کیا ہے۔

ظاہر و باطن اور نبی و وصی کی حیثیت کی تقسیم کر دی گئی۔ ظاہری دعوت رسول کے ذمہ تھی اور باطنی کا جسے وہ سزاوار ٹھہرائیں۔

ثم قسمو بین الظاهر و الباطن بین النبی والوصیی حیث قالوا، کانت الدعوة الظاهر ة قسط الرسول صلوت الله وسلامه علیه، و الدعوة الباطنة قسط وصیة الذی فاض منه جزیل الانعام (۲۵)

اہل تشیع کے نزدیک، جس نے اپنے زمانے کے امام کو نہیں پہچانا اور اس کی اطاعت نہیں کی وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

کل من کان الله عزوجل بعبادة یجهد فیها نفسه و لا امام له من الله فسعیه غیر مقبول (۲۶)

امام باقر کا قول ہے:

انما یعرف الله عزوجل و یعبده من عرف الله و عرف امامه منا اهل البیت، و من لا یعرف الله عزوجل ولا یعرف الامام منا اهل البیت فانما یعرف و یعبد غیر الله هکذا والله ضلالا (۲۷)

طبقات شعرانی میں ابراہیم الدسوقی کے حوالے سے نقل ہے کہ وہ ہر قسم کی زبان بول سکتے تھے اور

سارے پرندوں و جانوروں کی بولیاں جانتے تھے۔

وکان رضی اللہ عنہ یتکلم بالعجمی والسریانی والعبرانی والزنجی و سائر لغات الطیور والوحوش (۲۸)

اصول کافی میں بھی اماموں کو ایسی ہی صلاحیتوں کا حامل ٹھہرایا گیا ہے (۲۹) یہی عقیدہ تصوف میں ابتداء سے آج تک ایک ہی طرح سے موجود ہے جس میں پیر کے دامن سے منسلک ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ رسول یا امام پر ایمان لانا ''مشائخ خدا کے وقار کا ذریعہ ہیں وہ لوگوں کو ظاہری اور باطنی ادب سکھاتے ہیں .... یہی وہ لوگ ہیں جن کا کلام پیغمبروں کا کلام ہے۔ خرقہ پوشی میں شیخ کا ہاتھ رسول پاکؐ کے دست مبارک کی قائم مقامی کرتا ہے'' (۳۰) شیخ خدا تعالیٰ سے صحیح نیازمندی اور حسن استقامت کے بعد جو علم باطن حاصل کرتا ہے اس کے ذریعے وہ اس (مرید) کی تربیت کرتا ہے (۳۱) شیخ مریدوں کے الہام کا محافظ ہے جس طرح جبرائیل وحی کے محافظ تھے .... جس طرح رسول اللہؐ نفسانی خواہش کے مطابق گفتگو نہیں فرماتے تھے اسی طرح شیخ بھی ظاہر و باطن میں آپؐ کی پیروی کرتا ہے اور نفسانی خواہش کے مطابق کلام نہیں کرتا (۳۲) مسلمانوں میں تصوف کا حقیقی ماخذ شیعیت کا امامت و ولایت کا عقیدہ ہے جس میں مستقر امام حضرت علیؓ ہیں جن پر دلالت کرنے کے لیے آنحضرتؐ بھیجے گئے۔ آپ نے جو آخری رسالت بہم پہنچائی وہ مولانا علی کی ولایت ہے گویا آپ کے مبعوث ہونے کا اصل مقصد یہ ہے کہ آپؐ باطنی شرک کو مٹائیں۔ دنیا میں کوئی مشرک نہیں سب خدا کو واحد مانتے ہیں اگر لوگ شرک کرتے ہیں تو مولانا علی کی ولایت میں شرک کرتے ہیں۔ (۳۳)

خلافت راشدہ کے عہد میں اگرچہ ایران کو سیاسی حیثیت سے مغلوب ہونا پڑا لیکن تہذیب و تمدن کی جنگ میں ایران اپنی شکست کی پہلی صدی ہی میں پورے عرب پر غالب آ گیا اور اہل عرب کے ہر شعبے میں ایرانی رنگ چھا گیا۔ عرب و ایران کے باہمی اشتراک و اختلاط سے عجمی فلسفہ حیات کی گرفت افکار اسلامی پر سخت ہوتی چلی گئی۔ نوفلاطونیت و مزدکیت کی تعلیمات اور اسلامی افکار کا باہمی امتزاج ایرانیوں کے ذریعے عمل میں آیا جو یا تو مسلمان ہو کر نظام اسلامی کا حصہ بن گئے یا غلام بن کر عرب میں آئے اور موالی کہلائے۔ یہ موالی اپنے ساتھ ایک بہت بڑا تہذیبی و تمدنی سرمایہ عرب میں لائے جس سے اسلامی عقائد بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ اسلام میں ایرانی، شامی، نصرانی، رومانی اور قبطی وغیرہ مختلف اقوام کے

افراد داخل ہوئے اور یہ ناممکن تھا کہ یہ صدیوں سے آبائی ذہنیت کو پیچھے چھوڑ آئے ہوں۔ یہ موالی اپنی قدیم موروثی تقالید اور مذہبی رسوم کی طرف ہمیشہ مائل رہے اور انہیں اسلام کی سادہ تعلیمات میں داخل کرتے رہے۔ یہی خصائص مفتوحہ عورتوں کے ذریعے عربوں کی تمام نسلوں کی رگ و پے میں سما گئے۔

امیوں کے دور حکومت میں بالعموم اور عباسیوں کے عہد حکمرانی میں بالخصوص عجمیوں کو خاص طور پر غلبہ حاصل ہوا۔ اس لیے کہ وہ عباسی حکومت کے قائم کرنے والے تھے۔ انہی کی مدد سے عباسیوں نے بنوامیہ پر فتح پائی۔ اس لیے عباسیوں نے ایرانیوں کو غلبہ دینا شروع کیا۔ ہارون الرشید کے دور میں برامکہ خاندان کے عروج نے ایرانیوں کو حکومت کے ہر شعبے پر مسلط کر دیا۔ مامون الرشید کے دور میں عجمیوں کی ترقی اپنے عروج پر پہنچی۔ وہ خود ایک ایرانی کنیز کے بطن سے تھا۔ خلیفہ معتصم کے عہد میں عجمیوں کو اور زیادہ عروج ملا جس کو دیکھتے ہوئے اس نے ترکی عنصر کو فوج میں شامل کیا۔ ترکی اگرچہ نسلی اعتبار سے ایرانیوں سے مختلف تھے مگر تمدنی حیثیت سے بالکل ایرانی تھے۔ ہندوستان میں جو ترکی النسل سلاطین آئے وہ سب تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ایرانی تھے۔ اس لیے معتصم کے زمانے میں ترکوں کے اقتدار نے ایرانی تہذیب و تمدن کے سیلاب کو روکنے کی بجائے اس میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔

سبائی فتنہ

اسلام کی آمد کے بعد مختلف مذاہب کے لوگوں نے اپنی تعلیمات کو چھوڑ کر دین اسلام کو اختیار کیا۔ ان میں سے اکثر نے بخوشی جبکہ بعض نے مجبوراً اسلامی تعلیمات کو قبول کیا۔ انہیں میں یہودی مذہب کے ماننے والے بھی تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے آخری دور میں عبداللہ ابن سبا (یمنی) نے مدینے میں آ کر اسلام قبول کیا۔ یہودیوں کی منافقانہ روش (عبداللہ بن ابی) آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی عروج پر تھی لیکن اس میں انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔

حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں عبداللہ بن سبا نے مسلمانوں میں فتنہ کا بیج بویا جس سے اسلام کے خالص عقائد میں غیر اسلامی اور مشرکانہ عقائد شامل ہو گئے جس سے مسلمانوں کی وحدت کو بھی نقصان پہنچا۔ اس نے حضرت علیؓ کو خدا بنا کر شخصیت پرستی کے عقیدہ کو مضبوط کیا اور مسلمانوں کو باہم صف آراء کر دیا۔ ابن سبا نے حضرت علیؓ کے آنحضرتؐ کے وصی ہونے اور حضرت علیؓ کے اندر الوہیت کے

انتقال کے عقیدے کو مسلمانوں میں راسخ کیا۔ اس لیے وہ حضرت علیؓ کو 'انت' (یعنی تو تو مراد ہے تو ہی خدا ہے) کہتا تھا۔ (۳۴) اس کے ماننے والوں کے دل میں یہ عقیدہ پختہ کرنے کی کوشش کی کہ حضرت علیؓ اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ نیز ان کے اندر الوہیت کا ایک جز و حلول کر گیا ہے۔ اسی جرم کی پاداش میں حضرت علیؓ نے اسے قتل بھی کروادیا۔ لیکن اس کے نام پر ایک غالی فرقہ سبائیہ کی صورت میں ایک تحریک اٹھی:

اولین فرقہ غلاۃ، طرفداران عبداللہ ابن سبا ...... معتقد بحیات جاوید و رجعت حضرت علی و الوہیت او بودہ اندر امیرالمومنین علیؓ. (۳۵)

ڈاکٹر محمد ذکی عبداللہ بن سبا کو مسلمانوں میں گمراہی و فساد پھیلانے کا سبب قرار دیتے ہیں[۳۶] پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے بقول اس کی منافقانہ روش اور فتنہ کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اسے قتل کرایا۔ لیکن جو خفیہ جماعت اس نے پیدا کر دی تھی اور جس قسم کے غیر اسلامی عقائد اس جماعت میں راسخ کر دیے گئے تھے ان دونوں باتوں کا خاتمہ نہ ہوسکا۔ بلکہ اس کی وفات کے بعد اس کی جماعت کو ایران میں قبول عام کی سند حاصل ہوگئی کیونکہ یہودیوں کی طرح ایرانی بھی عرب مسلمانوں سے شدید نفرت کا جذبہ دل میں پوشیدہ رکھتے تھے اور جن عقائد کی ابن سبا نے تبلیغ کی تھی وہ ان کے لیے قابل قبول تھے خصوصاً حلول کا عقیدہ جو ان میں پہلے ہی سے موجود تھا۔ (۳۷)

امام جعفر (اہل تشیع کے چھٹے امام) کے بعد ان کے بڑے بیٹے اسماعیل اور چھوٹے بیٹے موسیٰ کاظم کو ان کا جانشین تسلیم کیا گیا۔ اول الذکر امام کا گروہ اسمٰعیلیہ کے نام سے مشہور ہوا، جسے ملاحدہ باطنیہ اور قرامطہ کے ناموں سے تاریخ میں موسوم کیا گیا۔ ان کے عقائد غلاۃ شیعہ کی طرح کے تھے۔ تشبیہ یعنی خدا کا انسانی شکل میں ظہور، مشیت ایزدی میں تبدیلی، امام کی واپسی یعنی رجعت اور تناسخ یعنی ایک امام کی روح کا جانشین کی شخصیت میں حلول کرنا۔

مسلمانوں میں جب تصوف کا آغاز ہوا تو قرامطہ نے صوفیوں کے بھیس میں غیر اسلامی عقائد کو شامل کیا اور ایران میں تصوف کی باقاعدہ بنیاد رکھ دی۔ ایران کے اکثر باشندوں نے چونکہ اسلام کو صدق دل سے قبول نہیں کیا تھا لہٰذا غیر اسلامی عقائد، مثلاً حلول، اتحاد، تجسیم اور تناسخ وغیرہ کے عقائد کو جو تصوف کے لباس میں ان کے سامنے پیش کیے گئے انہیں قبول کرنے میں انہیں ذرا برابر تامل نہ ہوا۔

عبداللہ ابن سبا اور ان کے جانشینوں القداح، حمدون اور قرمط نے انتہائی چالاکی سے انسان پرستی کی تعلیمات دیں اور اسلام کی امتیازی صفت خدا پرستی سے محروم کر دیا۔ ہندوؤں کے ہاں رام اور کرشن خدا کے اوتار ہیں۔ قرامطہ کے ہاں اسماعیل اور علی خدا کے اوتار ہیں۔ وہ بوقت ضرورت رام کو پکارتے ہیں اور یہ بوقت ضرورت حضرت علیؓ کو پکارتے ہیں۔ انہی قرامطہ کی تقلید میں اکثر صوفی اور شیعہ مسلمان حضرت علیؓ کو مشکل کشا سمجھتے ہیں اور مشکل کے وقت خدا کے بجائے حضرت علیؓ کو پکارتے ہیں اور صوفی حلقے ''جنگل پہاڑ پکاریں نادعلی علی'' سے گونج رہے ہیں۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے خیال میں قرامطہ نے فصوص الحکم، فتوحات مکیہ، مثنوی مولانا روم، احیاء العلوم اور دوسری مشہور کتب تصوف میں اپنی طرف سے عبارتیں اور اشعار شامل کر دیے ہیں۔ (۳۸)

مذکورہ بالا عقائد و نظریات اسلام کے عقیدہ توحید و رسالت اور اس کے تقاضوں کے یکسر متضاد ہیں۔ مگر صوفیاء نے اہل تشیع کے زیر اثر ان کو نہ صرف قبول کر لیا ہے بلکہ انہیں اپنے خانقاہی نظام میں بنیادی حیثیت دی ہے۔ تصوف اور تشیع دونوں کا شجرہ حضرت علیؓ پر منتہی ہوتا ہے۔ ہر دو جگہ پر حضرت علیؓ کو مرکزی ستون کی حیثیت حاصل ہے۔ تمام امیدوں کا مرکز اور باطنی علوم کا سرچشمہ حضرت علیؓ کو سمجھا گیا ہے۔ اگر ایک طرف اہل تشیع اس اعتقاد پر قائم ہیں کہ حضرت علیؓ اللہ کے ولی، نبیؐ کے وصی اور ان کے بعد خلیفہ بلا فصل ہیں تو دوسری طرف اہل تصوف اس عقیدہ کے حامل ہیں کہ دوسرے صحابہ کے مقابلہ میں صرف حضرت علیؓ ہی نبی کے کمالات باطنی کے حامل ہیں۔ جن کو نبیؐ نے بطور خاص خرقہ تصوف سے نوازا تھا۔ ''حضورؐ کو شب معراج میں اللہ کی جانب سے جو خرقہ، فقر کی خلعت عطا ہوئی تھی۔ آپ نے خلفاء اربعہ میں سے حضرت علی کو اس سے نوازا اور قیامت تک کے لیے یہ سنت مشائخ میں ان کی وجہ سے قائم ہے''۔ (۳۹)

شیعوں کی طرح صوفیاء بھی حضرت علیؓ ہی کو اپنا پیشوا و امام مانتے ہیں۔ اسی لیے ماسوائے ایک سلسلہ نقشبندیہ کے تمام سلاسل تصوف کا تعلق حضرت علیؓ ہی سے ہے۔ آخر تمام صحابہ کو چھوڑ کر تمام سلسلوں کا تعلق صرف حضرت علیؓ سے ہی کیوں؟ جس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کو ایک مخصوص باطنی علم دیا گیا تھا اور وہی علم، تصوف کا سرچشمہ ہے۔

یہ وہی ذات گرامی ہے جنہیں علم لدنی عطا فرمایا گیا اور علم لدنی وہ علم ہے جو خاص طور پر حضرت خضر کو دیا گیا۔ اس کی تائید میں حضرت علیؓ کے ساتھ ایک قول منسوب کر دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ستر قسم کے علوم سکھائے جنہیں میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا (۴۰)
جبکہ حضرت علیؓ نے قرآن کے علاوہ اپنے حق میں کسی اور علم سے انکار کیا ہے۔(۴۱)

ہندی مصدر

ایشیاء کے قدیم مذاہب کا اگر تقابلی مطالعہ کیا جائے تو ان میں بڑی حد تک یکسانیت کے ساتھ ساتھ صوری حیثیت سے اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔اس کے برعکس اگر معنوی حیثیت سے مطالعہ کر کے ان مذاہب کی گہرائیوں میں پہنچ کر دیکھا جائے تو تمام مذاہب کا سرچشمہ ذات الٰہی ہے، جو واحد ہے۔ تہذیبوں کے آپس میں ملاپ سے ایک تہذیب اگر دوسری تہذیب کو کچھ دیتی ہے تو دوسری تہذیب کے کچھ عناصر قبول بھی کرتی ہے۔ جب مسلمانوں کے تعلقات اہل ہند سے قائم ہوئے تو تصوف ہندو فلسفہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔فنا کی تعلیم اسلام میں ہندو فلسفہ سے آئی۔فرد کا فنا ہو کر خدا میں ضم ہو جانے کا تصور یقینی طور پر ہندوستانی ہے۔ جو ہندوؤں کے عقیدہ نروان سے ماخوذ ہے۔تصوف میں فنا کا تصور بایزید بسطامیؒ سے شروع ہوا جو انہوں نے اپنے استاد شیخ ابو علی سندھی سے حاصل کیا۔معرفت کے بارے میں صوفیاء کے اشارات ہندوؤں کے اشاروں کے مشابہ تھے۔ ہندو تصوف کا سب سے بڑا پرچارک شنکر اچاریہ تھا۔ اس نے کہا کہ انسان کے لیے مکتی (نجات) حاصل کرنے کا ذریعہ بھگتی (عشق) ہے۔ ابتداء میں ان کے ہاں برہما کے دو روپ، شیو اور وشنو تسلیم کیے گئے اور انہی کی بھگتی ہوتی تھی۔ پھر دو اوتار رام اور کرشن قرار پا گئے۔رام بھگتی اور کرشن بھگتی ان کا عام شعار ہو گیا۔ اس مسلک کو بھگتی تحریک سے یاد کیا جاتا ہے جو اسلام کے خلاف بڑی گہری سازش تھی۔ہندو اپنے دھرم کو اسلام کے مقابلے میں جب نہ لاسکے تو انہوں نے سوچا کہ اگر ہندو دھرم کو اسلام سے افضل ثابت نہیں کر سکتے تو کیوں نہ دونوں کو ملانے کی سازش کی جائے۔اس کے لیے وحدت الوجود (ویدانت) کا عقیدہ بڑا موثر ہتھیار ثابت ہوا۔ رام اور رحیم، اسلام اور ہندو دھرم میں کوئی فرق نہ رہا۔بھگت کبیر، بھگت سورداس، گووند اس، میراں بائی اور گورونانک وغیرہ اس تحریک کے مبلغ تھے۔وہ اور ان کے چیلے قریہ قریہ عام فہم میں کوتائیں (اشعار) سناتے، گیت گاتے، خود بھی ناچتے اور دوسروں کو بھی نچواتے۔ان میں سے بیشتر سادھو اور سنیاسی تھے جو ننگ دھڑنگ رہتے، بھنگ پیتے، چرس کے دم لگاتے، مقصد ان سب کا یہ تھا کہ اس عقیدے کو عام کیا جائے کہ رام بھی وہی ہے اور رحیم بھی وہی۔ اس لیے کفر اور اسلام میں کوئی فرق نہیں۔بھگت کبیر

کے الفاظ ہیں:

گنگا ایک گھاٹ بہتیرے کہت کبیر عقل کے پھیرے (۴۲)

ان کبتوں اور گیتوں کا ماحصل یہ تھا کہ کفر اور اسلام، رام اور رحیم، مسجد اور مندر میں کچھ فرق نہیں۔ مذہب کے مظاہر (شعائر، ارکان) بے مقصد ہیں اور باہمی تفرقہ پیدا کرنے کا موجب ہیں۔ اصل مقصد گیان دھیان (معرفت) ہے۔ مقصد حیات اپنے آپ کو فنا کر کے ذات خداوندی میں مدغم ہو جانا ہے۔ (۴۳)

پہلا مسلمان دانشور جس نے مسلمانان ہند کو، ہندی تصوف (ویدانت) سے روشناس کروایا وہ ابو ریحان البیرونی تھا۔ جس نے ہندوؤں کی اہم مذہبی کتابوں کا عربی اور فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس طرح ہندی مسلمان پہلی مرتبہ اپنشدوں اور یوگ کی تعلیم سے آشنا ہوئے۔ یہ وہی کام تھا جو مامون الرشید کے زمانہ میں یونانی فلسفہ کا عربی میں ترجمہ کر کے افلاطون وارسطو کے افکار سے آگاہی کی صورت میں ہوا۔ بیرونی کے بعد شہنشاہ اکبر نے مہابھارت، رامائن اور اسی قسم کی دیگر سنسکرت کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ داراشکوہ نے بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے اپنشدوں کا ترجمہ فارسی میں کروا کر ان کا نام سرِ اکبر رکھا اور یوگ بششٹ کا فارسی ترجمہ منہاج السالکین کے نام سے کرایا۔ جن میں وحدت الوجود کا فلسفہ شدید ترین شکل میں بیان کیا گیا۔ ۴۴

تخم الحادے کہ اکبر پرورید باز اندر فطرت دارا دمید

شمع دل در سینہ ہا روشن نبود ملت ما از فساد ایمن نہ بود

یہ ٹھیک ہے کہ اکبر نے الحاد کا بیج بویا تھا لیکن اس کے تخم الحاد اور داراشکوہ کے شجر الحاد میں بڑا فرق ہے۔ اکبر کا الحاد برہنہ سامنے آیا تھا اس لیے مسلمانوں نے اس سے دھوکہ نہیں کھایا تھا لیکن داراشکوہ کے الحاد نے تصوف کے نقاب میں یلغار کی اور اس سے متاع دین ودانش لٹ گئی۔

خانقاہوں کے ذریعے اسلام کی تبلیغ تو ہوئی غیر مسلم، اسلام کے مساویانہ رویے سے متاثر ہو کر مسلمان بھی ہوئے لیکن رفتہ رفتہ مسلمان اسلام کے بنیادی ارکان کو نظر انداز کر کے محض اسی پر تکیہ کرنے لگے۔ بزرگوں کے مزارات پر عرس اور میلے لگانے شروع کر دیئے اور بجائے خدا کے حضور دست دعا کے جبین اطاعت قبروں کے آگے جھکانے لگے۔ مغلوں کے دور تک آتے آتے ان اعتقادات میں اور بھی پختگی آتی گئی اور پھر ایک وقت تو یہ آیا کہ لوگوں نے عوام وخواص کا خانقاہوں کی طرف رجحان دیکھ

کر تصوف کو کاروبار بنالیا، طرح طرح کے کمزور اعتقادر کھنے والے افراد کو یہ لوگ لوٹنے لگے۔

اس ماحول نے توہم پرستی کو ہندوستانی مسلمانوں سے علیحدہ نہیں ہونے دیا۔ بھوت پریت، جادوٹو نے سے اہل اسلام نجات حاصل نہ کر سکے۔ علم نجوم اہل ہنود کا قدیم اور بڑا علم تھا۔ ہندوستان کی تواہم پرستانہ تہذیب میں نجومیوں پر یقین ان کے عقیدے کا حصہ تھا۔ جس سے مسلمان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

بزرگوں سے عقیدت اور قبر پرستی کے لیے ہندوستان کی فضا پہلے ہی سے سازگار تھی۔ ہندو عوام جوگیوں پر یقین رکھتے تھے اور اپنی مشکلات ان کے سامنے پیش کرتے تھے۔ جب مسلمان یہاں آئے یا جو ہندوستانی مسلمان ہوئے ان پر بھی اس اندھی عقیدت کا اثر ہوا۔ ہندو گنگا جمنا کو پوجتے، سورج کو پرنام کرتے اور بعض درختوں تک کو قابل تعظیم سمجھتے تھے۔ شاہ جہاں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر جا کر اولاد نرینہ کے لیے دعا کی تب دارا شکوہ پیدا ہوا۔(۴۶)

ہندو دیوی دیوتاؤں کے آستانوں پر سال میں ایک بار میلہ لگاتے تھے جو ان کے مذہبی تہوار کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس موقع پر وہ خاص طور پر نذریں چڑھاتے، منتیں مانتے اور بعض دوسری رسوم ادا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ میل جول کی وجہ سے مسلمانوں نے بھی بزرگوں کے مزارات پر سال میں ایک مرتبہ میلہ لگانا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ حرم شریف کے آداب کی طرح مزارات کے متعلق کچھ آداب مقرر کر کے انہیں میلوں کے دنوں میں باقاعدگی سے کیا جانے لگا اور ان کا نام عرس رکھ دیا گیا۔ عوام الناس کے مزاروں پر نذریں چڑھانے اور عرس کو کار ثواب سمجھنے کے عقیدے میں کسی معیار کو پیش نظر نہ رکھا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہوشیار لوگوں کو یہ موقع ہاتھ آ گیا کہ وہ ضعیف الاعتقاد لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنا کاروبار چمکائیں اور جس قبر والے کو چاہیں ولی اللہ بنا دیں۔

صوفیاء کے بعض اشغال مثلاً ''حبس دم''، ''بدھ اشغال کے ذریعے یوگ'' پرانا یام سے اخذ کیے گیے ہیں (۴۷) ''تصور شیخ'' کا نظریہ بھی بدھ مت سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس کا منبع اور مخرج فی الواقع بعد میں ویدک عہد کا ''دھیان'' کا تصور تھا گیروے رنگ کا لباس گوتم بدھ کے چیلے پہنتے تھے۔ چشتی صوفیوں میں آج کل بھی گیروے رنگ کے لباس کا رواج ہے۔(۴۸)

بدھ مت سے اسلام جیسا عظیم الشان مذہب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ درحقیقت ریاضت ونفس کشی جو تصوف کی جان ہے اسی مذہب کے تاثرات کا نتیجہ ہے۔ یہاں تک کہ بنیادی عقائد بھی اس مذہب

کی دست برد سے قطعاً محفوظ نہ رہ سکے (۴۹) سبط حسن گیان دھیان کے طریق کار کو اسی کا اثر قرار دیتے ہیں (۵۰) ہندو کلچر کی چھاپ سے تصوف پر غیر اسلامی نظریات غالب آ گئے۔ اس کے نتیجے میں وحدت الوجود، نظریہ حلول اور تناسخ ارواح کی تشریحات کو صوفیاء تسلیم کرتے گئے۔ اس طرح اسلام میں بے شمار اجنبی رسومات و عقائد کو عین اسلام سمجھ کر داخل کر دیا گیا۔ (۵۱) ابراہیم جیوشی تصوف کے ہندی مصدر کو مختلف غیر اسلامی عقائد کا منبع قرار دیتے تھے مثلاً تناسخ، وحدت الوجود اور حلول واتحاد جیسے عقائد۔

أصل التصوف هندي يستدلون على ذلك بما بين الصوفيه و المذاهب الهنديه من تشابه قوى في الآراء و الافكار والمعتقدات كالقول بالتناسخ وهو عقيدة هنديه قديمة والقول بوحدة الوجود والحلول والاتحاد. (۵۲)

تصوف کے ہندوستانی مآخذوں سے اصلی عناصر کو اپنانے کے علاوہ دونوں متصوفانہ طریقوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ (۵۳)

ہندوستان میں جہاں بعض ارباب اقتدار کی بے حسی نے فروغ اسلام کو نقصان پہنچایا تو دوسری طرف خانقاہوں میں وحدت الوجود اور حلول واتحاد جیسے نظریات دین اسلام کی حقیقی تعلیمات کے خلاف برسر پیکار تھے۔ ساتھ ہی ایران سے سرکاری و غیر سرکاری سطح پر شیعیت کی درآمد کے ساتھ ہندوستان میں مشرکانہ عقائد و خیالات اور بدعات و رسوم کا ایک سیلاب امڈ آیا اور مسلمان رفتہ رفتہ اپنی باقی ماندہ اسلامی روایات واقدار بھی کھونے لگے۔

یہ انہیں غیر اسلامی عناصر کا نتیجہ تھا کہ تصوف کے خانوادوں نے اسلام کی بیخ کنی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ان کی مجالس میں اکثر و بیشتر قال اللہ و قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دروس کے بجائے فقر و زہد، توکل و مجاہدہ، کشف و کرامات، جذب و مستی، کیف و سرور، وجد و رقص، ذکر و مراقبہ، وصل و ہجر، سکر و صحو، سماع و قوالی، ولایت و قطبیت، تصور شیخ، فنافی الشیخ اور فنافی اللہ کی گونجیں سنائی دیتی رہیں۔ ان صوفیاء نے کہیں توکل کی غلط تعلیم دی تو کہیں تدبیر و تقدیر کے مسائل میں الجھا کر مسلمانوں کو تقدیر پر شاکر رہنا سکھایا۔ کبھی مجاہدہ و ریاضت کے نام پر ترک دنیا کی تلقین کی تو کبھی رہبانیت کو راہ بتلا کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلے بندوں خلاف ورزی کی۔

ان الرھبانیة لم تکتب علینا (۵۴)

بلاشبہ رہبانیت ہمارے اوپر فرض نہیں کی گئی

دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام میں رہبانیت کے وجود کی نفی فرمادی:

لا رھبانیة فی الاسلام (۵۵)

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری امت کی رہبانیت جہاد کو قرار دیا اور خود شہادت کی آرزو فرمائی:

لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیاء (۵۶)

البتہ میں پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں قتل ہوں پھر زندہ ہوں۔

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کو فلسفہ وغیر اسلامی علوم وعقائد سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان کے افکار و ایمانیات کی بنیاد قرآن کریم اور سنت رسول پر قائم تھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ قرآن کریم نے مسلمانوں کو دوسرے علوم کی تحصیل سے باز رہنے کی ہدایت کی تھی یا اسلام کسی قسم کے بیرونی اثرات کو قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ رسول پاکؐ نے بارہا مسلمانوں کو طلب علم کی ترغیب دی یہی وجہ ہے کہ آپ نے میدان جنگ میں ایرانی طریقہ پر خندق کھودنے اور طائف کے محاصرے میں منجنیق استعمال کرنے کے مشورے کو قبول فرمالیا۔ جزیہ وعشر کا طریقہ جس طرح نوشیرواں کے زمانے میں جاری تھا آپ نے اسی طریق پر قائم رہنے دیا۔ آپ نے زید بن ثابتؓ کو عبرانی سیکھنے کا بھی حکم دیا۔ حضرت عمرؓ نے شام کے سلاطین کے طرز پر فوج اور خزانوں وغیرہ کے دفتروں کو ترتیب دینے کا فیصلہ کیا۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام دیگر ممالک کے علوم وفنون سیکھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کو برا نہیں سمجھتا بلکہ جو چیز اسلام کے نزدیک مذموم ہے۔ وہ اسلامی عقائد وعلوم کو دوسرے علوم سے مغلوب کرنا ہے۔ اسلام یقین وایمان کو شک وگمان سے مغلوب کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کے نزدیک مرکز حق ویقین وحی الٰہی وحکمت نبوی ہے۔ وہ انسانی قیاسات ونظریات کو مرکز علم ویقین قرار دے کر وحی الٰہی کو اس کے ماتحت کرنے کا کوئی تخیل اپنے اندر نہیں رکھتا:

قل انما اتبع ما یوحی الی من ربی (۵۸)

فرمادیجئے جو میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے میں اس کی اتباع کرتا ہوں۔

قرآن مجید شک وگمان کی پیروی کو گمراہی سے تعبیر کرتا ہے اور اس کے پیچھے پڑنے سے منع کرتا ہے۔

و ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل الله. ان یتبعون الا الظن (۵۹)

اور اگر آپ زمین میں اکثریت کی اطاعت کریں گے تو وہ اللہ کے راستے سے گمراہ کردیں گے وہ محض گمان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

ولا تقف ما لیس لک به علم٥ ان السمع والبصر والفواد ٥ کل اولئک کان عنه مسئولا.(۶۰)

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس بات کی تمہیں خبر ہی نہ ہو، کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔

ان واضح تعلیمات کے باوجود خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں نے ایرانی، ہندی اور یونانی علوم کو مرکز حق ویقین قرار دے کر آیات الٰہی اور احادیث رسول کی ان کے مطابق تاویلات شروع کردیں اور انہی علوم مہلکہ وغیر اسلامی نظریات کو اپنا نصب العین بنالیا۔ غیر اسلامی مذاہب اور تہذیبوں کے اثرات کو قبول کرنے میں اہل تصوف نے ذرا برابر بھی تأمل نہ کیا۔ نتیجتاً حقیقی اسلام رواجی وعجمی اسلام میں تبدیل ہوگیا اور اس کے پیروؤں کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ حقیقی اسلام سے وہ کتنے دور ہیں؟

اقوام عالم کے تاریخی مطالعہ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ تحریک تصوف مسلمانوں کے لیے خاص نہیں بلکہ یہ ہر مستعد قوم کے عملی انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی ہے۔

اہل روما کی بربادی کا دیگر اسباب کے علاوہ ایک سبب یہ بھی تھا کہ اہل روما کو اس فلسفے نے عملی جدوجہد سے کنارہ کشی کرکے، محض غور وخوض اور بعض دوسرے طریقوں کے ذریعے اپنی باطنی اصلاح پر اکتفا کرنے کا درس دیا جو بعد میں ان کے روبہ زوال ہونے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

ہندوستان کی تاریخ پر نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندومت جب اپنا زمانہ عروج گزار چکا تو ایک مرد درویش نے بدھ مت کا فلسفہ پیش کیا۔ جس نے ہندومت کو روبہ زوال کردیا کیونکہ بدھ مت کی تعلیم میں ترک دنیا، رہبانیت اور مجاہدے کے ذریعے اصلاح باطن کرکے نروان حاصل کرنے کا عنصر زیادہ تھا۔ اس لیے اس کی اشاعت لوگوں کے قوائے ظاہری اور باطنی پر اثر کیے بغیر نہ رہ سکی۔(۶۱)

یہ جاننے کے لیے کہ اس قسم کے فلسفے کسی قوم کے فکر وعمل کو کس طرح متاثر کرتے ہیں۔ زمانہ حال کی اقوام میں، جرمن قوم اور مسلمان امت کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔

حواشی

۱۔ عبدالحسن زریں کوب، ارزش میراث صوفیہ، طہران، ۴۴۳۱ھ، ص ۵۱
۲۔ نصیر احمد ناصر، اسلامی ثقافت، فیروز سنز، لاہور، س ن، ص ۳۷۶
۳۔ Three Muslim Sages: P,8
۴۔ قاضی جاوید، پنجاب کے صوفی دانشور، نگارشات، لاہور، ۶۸۹۱ء، ص ۱۰
۵۔ عذرا وقار، تصوف کی پنجابی روایت، نگارشات، لاہور، ۵۵۹۱ء، ص ۹
۶۔ پرویز، غلام احمد، تصوف کی حقیقت، طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور، ۲۹۹۱ء، ص ۲۷ و مابعد
۷۔ ایضاً، ص ۳۰
۸۔ اسرار الرحمٰن، مذاہب عالم، نیو بک پیلس لاہور، س ن، ص ۲۸۱
۹۔ عفیفی، ابو العلاء، التصوف، اسکندریہ، مصر، ۳۶۹۱ء، ص ۴۹۳
۱۰۔ عبدالرحمٰن بدوی، تاریخ التصوف اسلامی، وکالۃ المطبوعات، الکویت، ۸۶۹۱ء، ص ۱۴
۱۱۔ ارزش میراث صوفیہ، ص ۴۱
۱۲۔ محمد ابراہیم جیوشی، بین التصوف والادب، القاہرہ، س ن، ص ۳
۱۳۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۶۸۹۱ء، ۲۳/۵ ۷
۱۴۔ عبدالحی الانور، مذاہب عالم اور اسلام، تاج بک ڈپو لاہور، ۶۸۹۱ء، ص ۲۰۸
۱۵۔ غوری، عبدالغفور، اسلام کی زندہ تحریک چشت، مطبع بارگاہ، کراچی، س ن، ص ۵۵
۱۶۔ ایضاً، ص ۶۵
۱۷۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، مجالس صوفیہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۶۸۹۱ء، ص ۹۳
۱۸۔ خالد، روح اسلام، دید شنید پبلی کیشنز، لاہور، ۰۹۹۱ء، ص ۱۸۶
۱۹۔ ابو الحسن علی ندوی، رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام، مکتبہ دار الفتح، دمشق ۵۶۹۱ء، ص ۳۴۱
۲۰۔ مذاہب عالم اور اسلام، ص ۲۰۹
۲۱۔ ابو العلاء عفیفی، فصوص الحکم والتعلیقات علیہ، الناشر دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، س ن، ص ۷
۲۲۔ عبداللہ ملک، داستان خانوادہ احمد علی لاہوری، کوثر پبلی کیشنز، لاہور، ۹۷۹۱ء، ص ۱۹۱
۲۳۔ میر ولی الدین، قرآن اور تصوف، پروگریسو بکس، لاہور، ۹۷۹۱ء، ص ۳۲
۲۴۔ ظہیر، احسان الٰہی، التصوف المنشاء والمصادر، ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور، ۶۸۹۱ء، ص ۳۴۲
۲۵۔ اسماعیل بن ولید، کتب الذخیرۃ فی الحقیقۃ، دار الثقافۃ، بیروت، لبنان، س ن، ص ۳۱۱
۲۶۔ الکلینی، محمد بن یعقوب، الاصول من الکافی، انتشارات علمیہ اسلامیہ، س ن، ۱/۳۸۱

۲۷ ایضاً،۱/۱۸۱

۲۸ طبقات (الشعرانی)۱/۱۶۶

۲۹ الاصول من الکافی ،۱/۲۲۷

۳۰ سہروردی، شہاب الدین، عوارف المعارف، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان،۱۹۶۶ء،ص ۹۸

۳۱ محولہ بالا

۳۲ عوارف المعارف،ص۴۰۹

۳۳ بحوالہ تصوف کی حقیقت،ص ۵۵

۳۴ یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، اسلامی تصوف میں غیراسلامی نظریات کی آمیزش، المحمود اکیڈمی لاہور،۱۹۹۷ء،ص ۱۲ و مابعد

۳۵ عباس اقبال، پروفیسر، خاندان نوبختی، دارالمعلمین، طہران، س ن، ص ۲۵۷

۳۶ محمد ادریس، مضامین تصوف، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور،۱۹۹۸ء،ص ۱۷۰

۳۷ چشتی، یوسف سلیم، اسلامی تصوف میں غیراسلامی نظریات کی آمیزش، المحمود اکیڈمی، لاہور،۱۹۹۷ء،ص ۲۶

۳۸ ایضاً،ص ۴۳

۳۹ سیر الاولیاء،ص ۲۱

۴۰ الطوسی، ابونصر سراج، کتاب اللمع، دارالکتاب، الحوثیہ، مصر،۱۳۸۰ھ،ص ۱۸۱،۱۸۹

۴۱ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الانبیاء، باب مناقب علی ابن ابی طالب،۴/۴۰۵

۴۲ تصوف کی حقیقت،ص ۸۸

۴۳ ایضاً،ص ۹۸

۴۴ ایضاً،ص ۹۰

۴۵ رموز بیخودی،ص ۲۵

۴۶ محمد عمر، ڈاکٹر، ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، نئی دہلی ۱۹۷۵ء،ص ۲۸

۴۷ ایضاً،ص ۱۶۳

۴۸ ایضاً،ص ۳۴۴

۴۹ شاہد، ایس۔اے، اسلام اور فلسفہ، نیو بک پیلس لاہور، س ن، ص ۷۶

۵۰ سبط حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، مکتبہ دانیال، کراچی،۱۹۸۶ء،ص ۲۰۸

۵۱ مختار احمد، مختصر تاریخ تصوف، المحزن، کراچی ۱۹۹۳ء،ص ۲۷

۵۲ جیوشی محمد ابراہیم، بین التصوف والادب، لاہور، س ن، ص ۱۲

۵۳ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر،ص ۳۴۴

۵۴ مسند احمد،۶/۲۲۶

۵۵ محولہ بالا
۵۶ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الجہاد، باب تمنی الشہادۃ، ۳۰۱/۳۰
۵۷ شفیق الرحمٰن ہاشمی، اقبال کا تصور دین، فیروز سنز، لاہور، س ن، ص ۳۱۲
۵۸ الاعراف: ۳۰۲/۷
۵۹ الانعام: ۶۱۱/۶
۶۰ بنی اسرائیل: ۶۳/۷۱

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆